نفحاتِ حرم

ارباب قلم کی علمی کاوشوں کا مبلغ

آن لائن ماہنامہ

شمارہ اکتوبر 2020

اس شمارے کے مضامین

جاری کردہ

نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

شرفِ انتساب

امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

امام الارض ابراہیم بن ادہم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

رحمة الله تعالى عليهم أجمعين

مدیرِ اعلیٰ

مولانا ابو محمد عارفین القادری

اِجرائے اشاعت

ستمبر ۲۰۲۰ء مطابق محرالحرام ۱۴۴۲ھ

تحریر بھیجنے اور پی ڈی ایف شمارہ اور یونیکوڈ تحریر حاصل کرنے کے ذرائع

ای میل: arfeenjaipuri@gmail.com

واٹس اپ + ٹیلی گرام: +923333403632

فیس بوک: https://www.facebook.com/Nafhateharam

(اسلامی بہنیں ای میل اور فیس بک لنک پر میسج کر کے ایڈمن اسلامی بہن کا نمبر لے سکتی ہیں، جہاں پر تحریر بھیجی اور لی جاسکتی ہے)

جاری کردہ: نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

فہرست مشمولات

(نوٹ: ادارے کا مضمون نگار کی آرا و تحقیق سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے)

صدائے نفحاتِ حرم

تحریر ظاہری طور پر ورق، الفاظ اور سیاہی کا مجموعہ ہوتی ہے جو اپنی شکل و بناوٹ کے اعتبار سے کمزور شے ہے مگر اس کی معنوی قوت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ یہ قوموں میں انقلاب برپا کر دیتی ہے، اُن کے عروج و زوال کا سبب بن جاتی ہے، قوموں کی سوچ و فکر کا زاویہ تبدیل کر دیتی ہے اس لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔

پچھلے اَدوار میں تحاریر اخبارات، رسائل و کتب کی صورت میں شائع ہوتیں جسے باقاعدہ ہاتھ میں لیکر مطالعہ کیا جاتا اور یقیناً مطالعہ کا حقیقی لطف کتاب کو ہاتھ میں تھام کر ہی ملتا ہے مگر ہمارا زمانہ انٹرنیٹ کے عروج کا ہے جس میں تحاریر کو پڑھنے اور بھیجنے کے لئے ویب سائیٹس، پی ڈی ایف، ایپلیکیشنز جیسے برقی ذرائع استعمال ہوتے ہیں اور متعدد وجوہات ایسی ہیں جو ہمیں ان ذرائع سے جوڑے رکھتی ہیں جسے ہم چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ فی زمانہ نوجوان نسل میں ابتداءً انٹرنیٹ کے ذریعے سے ہی فکری تبدیلی پیدا کی جاتی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ آج کے زمانے میں جنگ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ سوچ و فکر پر قبضہ کر کے جیتی جاتی ہے اور ہر باطل مذہب اس جنگ میں مصروف ہے جس کے لئے انٹرنیٹ ایک اہم ذریعہ ہے تو ہم کیونکر اس پلیٹ فارم کو نظر انداز کر سکتے ہیں، لہٰذا اُن کی فکری اصلاح کے لئے ضروری ہے اصحابِ حق و اربابِ قلم جو اچھا لکھتے ہیں اور مزید لکھ سکتے ہیں ان کے کام کو آگے لایا جائے تاکہ فیضِ حق کی کرنوں سے باطل کی اندھیریاں ختم ہوں۔

ہم نے نفحاتِ حرم کے نام سے ایک پلیٹ فورم ترتیب دیا ہے جس کا مقصد مستند، محقق اور محوّلہ علمی مواد انٹرنیٹ پر پھیلانا ہے جس کے فوائد کثیر ہیں، نفحاتِ حرم کے نام سے ہر ماہ ایک برقی رسالہ نکالا جائے گا جس میں اربابِ قلم کی تحریروں کو شائع کیا جائے گا، نہ صرف اس برقی رسالے میں بلکہ انٹرنیٹ کے مشہور فورمز پر اُنہیں کے نام سے شائع کیا جائے گا تاکہ اہلِ حق کی تحاریر زیادہ سے زیادہ عام ہوں۔

ہم اربابِ علم و قلم سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی تحاریر درج ذیل شرائط کے ساتھ ہمیں ارسال کریں۔

نمبر	شرائط
1	مُحرر سنی صحیح العقیدہ ہو۔[1]
2	تحریر امیج کی صورت میں نہ ہو بلکہ ٹیکسٹ کی صورت میں ہو۔
3	موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ دینی دنیاوی کسی بھی موضوع پر تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔[2]
4	زبان کی کوئی قید نہیں ہے۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی کسی بھی زبان میں تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔
5	تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے اور اس کی شمولیت کا فیصلہ نفحاتِ حرم بورڈ کرے گا۔ (معیاری سے مراد مواد اچھا اور بامقصد ہو، محض الفاظ کا ہیر پھیر، مترادف جملوں، پیرایوں اور دلیلوں کی تکرار نہ ہو)
6	حوالے جات مکمل ہونا ضروری ہے، کتاب کا محض نام لکھ دینا کافی نہیں ہے۔ مثلا شرح صحیح مسلم للنووی، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۱، کتاب السیر، دارالفکر، بیروت۔

الحمد للہ! نفحاتِ حرم نے اسلامی بہنوں کے لئے بھی یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی تحاریر بھیج سکتی ہیں بلکہ ہم انہیں ترغیب دلائیں گے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے عمدہ تحاریر لکھنے کی کوشش کریں اور امتِ مسلمہ کی فکری اصلاح کو مستحکم بنائے رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

---

[1] محررین کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بیان کردہ عقائد و نظریات کی تشریحات سے متفق ہونا ضروری ہے۔

[2] تحریر بھیجنے کے ذرائع پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

شرعی احکامات میں روحانیت کالحاظ

(✍ مولاناابو محمد عارفین القادری)

مادیت اور روحانیت کا موضوع پُرانا بھی ہے اور دلچسپ بھی، اس کے جتنے پہلوؤں پر بات ہوتی ہے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ ہمارے دور کو Age of Reasoning کہا جاتا ہے یعنی ہر شے کے وجود اور اس کی نقل و حرکت کا مادی سبب معلوم کرنا، بظاہر اتنی بات تو درست ہے مگر اس کے ذریعے روحانیت اور اس کے معاملات کی نفی کرنا نیچری و دہری سائنس کی غلط روش ہے۔

یہ معاملہ نیچریوں اور دہریوں تک محدود ہوتا تو شاید ہم اس پر قلم نہ اٹھاتے کہ اُن کے باطل خیالات کو اہلِ قلم نے مختلف مقالات و مضامین ترتیب دے کر رد کر دیا ہے مگر اِس باطل فکر کے اثرات ہمارے معاشرے میں دکھائی دینے لگے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ روحانیت پر اعتقاد انتہائی کمزور ہے اور مادیت پر بھروسہ حد سے زیادہ ہے خصوصا مغربی تہذیب میں پلے بڑے ہمارے مسلمان بھائی بہن اس فتنے سے زیادہ متاثر ہیں، حالیہ دنوں میں اس فتنے کی شدت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کے بہت سے ممالک میں کرونا وائرس کے سبب مساجد اور جمعہ و جماعت کی حاضری موقوف کر دی گئیں بلکہ حرمین شریفین جہاں امن و سلامتی کی خیرات بٹتی ہے اسی خوف سے بند کر دئے گئے، مانا کہ حفاظتی اقدامات بھی شریعت کا حکم ہے مگر اعتدال و توازن کو پسِ پشت ڈال کر جس نری مادیت کا مظاہرہ کیا گیا وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی مادہ پرستی کے اثرات جنم لے رہے ہیں، ہم نے فیس بک پر اس رویے پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا تھا، ”مسلمان اور کافر میں ایک فرق یہ ہے مسلمان اسباب اختیار کرتا ہے لیکن اُس پر انحصار نہیں کرتا جبکہ کافر اسباب پر انحصار کرتا ہے“ فی الوقت کرونا

وائرس ہمارا موضوع نہیں ورنہ اس کے ضمن میں غیر متوازن روش پر تفصیلی کلام کیا جاسکتا ہے، ہمیں اس مضمون کے ذریعے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس عالَم میں مادیت ہی سب کچھ نہیں بلکہ روحانیت کا باقاعدہ نظام موجود ہے جس کا لحاظ مذاہب میں رکھا جاتا ہے، شریعتِ اسلامیہ کے احکامات میں مادیت و روحانیت دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، ہر حکم کی مادی وجہ موجود ہو یہ ضروری نہیں ہے، نیز یہ بھی یاد رکھا جائے کہ مادی عناصر روحانیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور روحانی عناصر بھی مادیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، چونکہ روحانیت سے کمزور تعلق کی وجہ سے مادہ پرستی کے اثرات بڑھتے جارہے ہیں اس لئے ہم نے اپنے مسلمان بھائیوں و بہنوں کی فکری اصلاح کے پیشِ نظر یہ مضمون ترتیب دیا ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ میں بیان کردہ اُن احکامات کی طرف توجہ دلائی گئی ہیں جو روحانی نظام سے تعلق رکھتے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر وہ اپنی سوچ و فکر میں روحانیت کو جگہ دیں، اس پر اعتقاد مضبوط کریں اور مادہ پرستی کے بڑھتے اثرات سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔

اللہ کریم ہماری اس تحریر کو مسلمانوں کے سچے اعتقاد میں مضبوطی کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ الحبیب الکریم ﷺ

مادی اور روحانی نظام

مادی نظام دراصل ایک حسی نظام ہے جس میں نظر آنے والی یا محسوس کی جانے والی اشیا زیرِ بحث آتی ہیں، مادہ کو Elelment, Matter, Atom وغیرہ مختلف تعبیرات دی جاتی ہیں۔

روحانی نظام اس کے برعکس نظر نہ آنے والا ایک پوشیدہ نظام ہے، جس کو ہم اپنے حواس کی مدد سے محسوس نہیں کرسکتے مگر اُسکی علامات سے اُس کا ادراک کرسکتے ہیں، اس کا وُجود یقینی طور پر موجود ہے اور یہ مادی اشیا پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔

اسلام کا نقطہ نظر

اسلام دونوں کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ ان کے وجود پر یقین رکھنے کا مکلف بھی بناتا ہے، کسی ایک نظام کا مطلقاً انکار مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

ہم نے آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ حمیدہ سے چند مثالیں جمع کی ہیں تاکہ قارئین اس میں غور و فکر کر کے اپنی فکری اصلاح کا سامان کر سکیں۔

ا۔شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگنا

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (الأعراف: ۲۰۰)

یعنی اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچادے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ، بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔

وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (المؤمنون: ۹۸)

یعنی اور اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ شیطان میرے پاس آئیں۔

مذکورہ دونوں آیات میں شیطان سے پناہ مانگنے کی ترغیب موجود ہے، مادی نظام میں عموماً شیطان نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس کو حواسِ ظاہریہ سے محسوس کیا جاسکتا ہے مگر بُرے خیالات کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شیطان کی جانب سے وسوسہ ہے، نیز شیاطین کا انسان کے ارد گرد ہونا اب تک کسی آلے سے نہیں دیکھا جاسکا لیکن قرآن مجید کی آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شیاطین انسان کے ارد گرد موجود ہوتے ہیں اور اُسے بہکانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا نظر نہ آنے کی وجہ سے اُن کے وجود کا انکار کر دیا جائے، یا شیطان کو بدی کی قوت کا نام دیکر گفتگو ختم کر دی جائے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ اُن کے وجود پر یقین رکھتے ہوئے اُن کے شر سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگی جائے۔

۲۔ہڈی اور مینگنی سے استنجا کی ممانعت

وَسَأَلُوهُ الزَّادَ فَقَالَ: لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ يَقَعُ فِي أَيْدِيكُمْ أَوْفَرَ مَا يَكُونُ لَحْمًا وَكُلُّ بَعْرَةٍ عَلَفٌ لِدَوَابِّكُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَا تَسْتَنْجُوا بِهِمَا فَإِنَّهُمَا طَعَامُ إِخْوَانِكُمْ. یعنی جنات نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ جانور جس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا، اُس کی کی ہڈی تمہاری خوراک ہے، تمہارے پاس آتے ہی وہ گوشت سے پُر ہو جائے گی اور ہر اونٹ کی مینگنی تمہارے جانوروں کا چارہ ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (انسانوں کے لئے حکم ارشاد) فرمایا: ان دونوں چیزوں (ہڈی اور مینگنی) سے استنجانہ کیا کرو، کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقرأة في الصبح، رقم الحديث: ٤٥٠، صـ٢١٠، دار طيبة، الرياض)

اس حدیثِ مبارک میں ہڈی و مینگنی سے استنجا کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ یہ ہمارے جن بھائیوں اور اُن کے جانوروں کی خوراک بنادی گئی ہے۔ حالانکہ ہڈی اگر خشک ہو تو اُس سے نجاست کو دور کیا جاسکتا ہے۔ یہ شرعی احکامات میں روحانیت کے لحاظ کی دلیل ہے۔

۳۔ مسجد میں کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر جانے کی ممانعت

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ، فَغَلَبَتْنَا الْحَاجَةُ، فَأَكَلْنَا مِنْهَا، فَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى، مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ. یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیاز اور گندنا کھانے سے منع فرمایا، ہم نے ضرورت سے مغلوب ہو کر انہیں کھالیا تو رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: جو ان بدبودار درختوں سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوما الخ، رقم الحديث: ٥٦٣، صـ٢٥٢، دار طيبة، الرياض)

اس حدیثِ مبارک میں مسجد میں کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر آنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کو منہ سے آنے والی بد بو سے تکلیف ہوتی ہے۔ فرشتوں کی تکلیف کا خیال رکھنا گویا کہ شرعی احکامات میں روحانیت کا لحاظ رکھنا ہے۔

۴۔ نماز میں تھوکنا

أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَقِرَاءَتِي يَلْبِسُهَا عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خَنْزَبٌ، فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْهُ، وَاتْفِلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا» قَالَ: فَفَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللهُ عَنِّي. یعنی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مجھ پر قرات مشتبہ کر دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس شیطان کو خنزب کہا جاتا ہے، جب کبھی تم اسے محسوس کرو تو اُس سے اللہ تعالی کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار تھوک دو، حضرت عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں: میں نے یہی کیا تو اللہ تعالی نے اُس شیطان کو مجھ سے دور فرما دیا۔

(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب التعوذ من الوسوسة، رقم الحديث: ٢٢٠٣، صـ١٠٥٠، دار طيبة، الرياض)

یہ عمل بہت ہی مجرب ہے اور کیوں نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، نماز شروع کرنے سے پہلے أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر بائیں جانب تین بار تھتکار دیا جائے تو وسوسے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس عمل کی تعلیم روحانی نظام کے وجود پر یقین دلاتی ہے۔

۵۔ بغیر بسم اللہ کھانا کھانا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ تَعَالَى، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ. یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اُس پر اللہ تعالی کا نام لے لیا کرے اور اگر وہ ابتدا میں اللہ تعالی کا نام لینا بھول جائے تو اُسے چاہئے کہ وہ بسم اللہ اولہ و آخرہ کہہ لے۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، رقم الحديث: ٣٧٦٧، جـ٣، صـ٣٤٧، المكتبة العصرية، بيروت)

اب اِس سے اگلی حدیث میں جو معاملہ ارشاد ہوا وہ ملاحظہ فرمائیں اور یقین پیدا کریں کہ اگرچہ ہماری آنکھوں اور اس مادی دنیا سے یہ معاملات پوشیدہ ہیں مگر صورتِ حال اسی طرح واقع ہوتی ہے۔

عَنْ عَمِّهِ أُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ وَكَانَ مَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَرَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهِ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ قَالَ: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهُ، فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ. یعنی حضرت سیدنا امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، وہاں ایک شخص بغیر بسم

اللہ پڑھے کھانا کھا رہا تھا، جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو اُس نے اُسے اٹھایا اور کہا بسم اللہ اولہ و آخرہ، تو نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا: شیطان اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب اس نے اللہ عزوجل کا نام لیا تو جو کچھ اُس (شیطان) کے پیٹ میں تھا، سب اُگل دیا۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، رقم الحديث: ۳۷۶۸، جـ۳، صـ۳٤۷، المكتبة العصرية، بيروت)

الحمدللہ! ہماری شریعت نے ہمیں اُن معاملات سے بھی آگاہ فرمایا ہے جو اِس مادی دنیا کی جدید ترین آنکھ اور مشین بھی نہ دیکھ سکے، لہذا شرعی احکامات کو صرف مادی وجود و اسباب پر تولنا درست نظریہ نہیں ہے۔

٦۔ عجوہ کھجور میں زہر سے شفا

سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ تَصَبَّحَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ اليَوْمَ سُمٌّ وَلاَ سِحْرٌ. یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھالیں، اُس دن اُسے نہ زہر نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی جادو۔

(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب الدواء بالعجوة، رقم الحديث: ۵۷٦۹، صـ۱٤٦۰، دارإبن كثير، دمشق)

۷۔ سورہ فاتحہ سے بچھو کے کاٹنے کا علاج

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ العَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ، إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولَئِكَ، فَقَالُوا: هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ؟ فَقَالُوا: إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلاَ نَفْعَلُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ القُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا:

لاَ نَأْخُذُهُ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ: وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ. یعنی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کرام حالتِ سفر میں عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے، قبیلہ والوں نے اُن کی مہمان نوازی نہیں کی، کچھ دیر بعد اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، اب قبیلہ والوں نے اُن صحابہ کرام سے کہا کہ آپ لوگوں کے پاس کوئی دوا یا کوئی دم کرنے والا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ تم لوگوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی اور اب ہم اُس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے لیے اس کی کچھ مزدوری نہ مقرر کردو۔ چنانچہ ان لوگوں نے چند بکریاں دینی منظور کرلیں پھر (ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ) سورۃ فاتحہ پڑھنے لگے اور اس پر دم کرنے میں منہ کا تھوک بھی اس جگہ پر ڈالنے لگے۔ اس سے وہ شخص اچھا ہوگیا۔ چنانچہ قبیلہ والے بکریاں لے کر آئے لیکن صحابہ کرام نے کہا کہ جب تک ہم نبی کریم ﷺ سے نہ پوچھ لیں یہ بکریاں نہیں لے سکتے، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضور ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوگیا تھا کہ سورۃ فاتحہ سے دم بھی کیا جاسکتا ہے، ان بکریوں کو لے لو اور اس میں میرا بھی حصہ شامل کرو۔

(صحيح بخاري، كتاب الطب، رقم الحديث: ٥٧٣٦، صـ١٤٥٢-١٤٥٣، دارإبن كثير، دمشق)

۸۔ قبر پر اُگنے والے تر پودوں کا اکھیڑنا مکروہ ہے

امام ابن عابدین شامی حنفی (م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

يُكْرَهُ أَيْضًا قَطْعُ النَّبَاتِ الرَّطْبِ وَالْحَشِيشِ مِنْ الْمَقْبَرَةِ دُونَ الْيَابِسِ كَمَا فِي الْبَحْرِ وَالدُّرَرِ وَشَرْحِ الْمُنْيَةِ وَعَلَّلَهُ فِي الْإِمْدَادِ بِأَنَّهُ مَا دَامَ رَطْبًا يُسَبِّحُ اللهَ تَعَالَى فَيُؤْنِسُ الْمَيِّتَ وَتَنْزِلُ بِذِكْرِهِ الرَّحْمَةُ اهـ وَنَحْوُهُ فِي الْخَانِيَّةِ. یعنی قبروں سے تر پودوں اور گھاس کا اکھیڑنا مکروہ ہے جبکہ وہ خشک نہ ہو، جیسا

کہ بحر، درر، شرح المنیۃ میں ہے اور امداد میں اُس کی علت یہ بیان ہوئی کہ یہ چیزیں جب تک تَر رہتی ہیں اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتی ہیں جس سے میت کو اُنسیت حاصل ہوتی ہے اور اُن کے ذکر کرنے کے سبب رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے، اسی طرح خانیہ میں ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، ج۔۲، ص۔۲۴۵، دار الفکر، بیروت)

فقیر کی نظر میں اس وقت کثیر مضامین موجود ہیں جس سے ہم اپنے عنوان کو طوالت اور مزید پختگی دے سکتے ہیں مگر اصلاحی نقطۂ نظر سے اتنے حوالہ جات بھی کافی ہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کے قلوب میں بے اطمینانی، معاملاتِ زندگی میں بے یقینی کی کیفیت کا ایک بڑا سبب روحانیت سے کمزور تعلق ہے، ایک پیناڈول کی ٹیبلیٹ کھا کر سر درد ٹھیک ہونے کا یقین ہوتا ہے مگر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے وہ یقین پیدا نہیں ہوتا، وبائی امراض میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے لاکھ مادی جتن کریں گے مگر دعائے حفاظت از ہر مصیبت (الحمد لله الذي عافاني الخ) پڑھ کر اطمینانِ کلی کیوں حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو ایسے معمولات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس سے روحانیت پر اُن کا یقین ترقی کرتا رہے، اُن میں سے ایک ''عملِ استخارہ'' ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تمام امور میں استخارہ کی تعلیم فرماتے، جیسے قرآن کی سورت تعلیم فرماتے۔ فقیر کی نظر میں بکثرت استخارہ کرنے سے روحانیت پر یقین پختہ ہوتا ہے۔ مگر ہم نے اس مبارک عمل کو بھی ''مخصوص طبقہ'' کا کام قرار دیکر خود کو اس سے دور کر لیا ہے تو بتایئے آپ کو روحانیت سے چاشنی کب اور کیسے نصیب ہو گی۔

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں روحانیت پر پختہ یقینی کی کیفیت عطا کرے، مادہ پرستی سے محفوظ رکھے اور دونوں نظام کے مابین اعتدال پر مبنی رویہ اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الکریم ﷺ

کیا صفر کا مہینہ منحوس ہے؟

(از: مولانا عبد اللہ بن آدم)

حضرت امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ عنہما حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مخبرِ صادق، محبوبِ خالق ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ وَيَثْبُتَ الجَهْلُ. یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔

(صحيح البخاري، كتاب العلم، رقم الحديث: ٨٠، صـ٣٣، دار إبن كثير، دمشق)

حضور سیدی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں علم سے مراد علمِ دین ہے۔ (مراۃ شرح مشکوۃ)

علم کس طرح اٹھایا جائے گا؟

اس کی وضاحت خود زبانِ نبوت و رسالت ﷺ نے جو کی ہے وہ حاضرِ خدمت ہے۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مطلع عن الغیوب، منزہ عن العیوب، مدنی محبوب ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا. یعنی اللہ جل جلالہ علم کو لوگوں سے نہیں چھینے گا لیکن علما کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا حتی کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، اُن سے سوال کیا جائے گا وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحيح مسلم، كتاب العلم، رقم الحديث: ٢٦٧٣، صـ١٢٣٢-١٢٣٣، دارطيبة، الرياض)

علم کے اٹھ جانے، جہل کے پھیل جانے کا مصداق کون سا زمانہ ہے؟

اس حوالے سے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۵ھ کے کلمات ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي عِيَاض: وَقد وجد ذَلِك فِي زَمَاننَا، كَمَا أخبر بِهِ، عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام. قَالَ الشَّيْخ قطب الدّين: قلت: هَذَا قَوْله مَعَ توفر الْعلمَاء فِي زَمَانه، فَكيف بزماننا؟ قَالَ العَبْد الضَّعِيف: هَذَا قَوْله مَعَ كَثْرَة الْفُقَهَاء وَالْعُلَمَاء من الْمَذَاهب الْأَرْبَعَة والمحدثين الْكِبَار فِي زَمَانه، فَكيف بزماننا الَّذِي خلت الْبِلَاد عَنْهُم، وتصدرت الْجُهَّال بالإفتاء والتعين فِي الْمجَالِس والتدريس فِي الْمَدَارِس؟ فنسأل السَّلامَة والعافية. یعنی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۴۴ھ فرماتے ہیں: عالمِ ماکان ومایکون ﷺ نے جس طرح خبر دی ہے اس کا مصداق ہمارے زمانے میں متحقق ہو گیا۔ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی عیاض کا یہ ارشاد اُن کے زمانے کا ہے جبکہ اُس وقت بکثرت علما موجود تھے تو ہمارے زمانے کا کیا حال ہو گا؟ یہ عبدِ ضعیف (بدر الدین عینی) کہتا ہے: اُن کا یہ ارشاد اُس زمانے کا ہے جب مذاہبِ اربعہ کے بکثرت علما اور فقہا موجود تھے اور بڑے بڑے محدثین تھے، ہمارے زمانے کے متعلق کیا کہا جائے گا جس میں شہر علما سے خالی ہو چکے ہیں اور جاہل لوگ فتوے دے رہے ہیں اور مجالس و مدارس میں یہ جہلا تعینات ہو گئے ہیں۔ پس ہم سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب العلم، باب رفع العلم و ظهور الجهل جـ۲، صـ۸۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

محترم قارئین کرام! غور و فکر کریں علامہ قاضی عیاض چھٹی صدی اور علامہ عینی نوی صدی کے اکابر علما میں سے ہیں، یہ علما اپنے زمانوں کو علم کے اُٹھنے اور جہالت کے پھیل جانے کا مصداق قرار دے رہے ہیں تو ہماری اس پندرہویں صدی کے بارے میں کیا کہا جائے گا جس میں جہالت اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے، کوئی شراب کو حلال

کہہ رہا ہے تو کوئی شرعی پردے کو غیر شرعی قرار دے رہا ہے، کوئی گانے کے جائز ہونے کے فتوے صادر کر رہا ہے جیسا کہ میڈیا پر آنے والے کہہ رہے ہیں تو اس بات کو کہنے کے زیادہ حقدار ہم ہیں کہ دراصل حضور سیدِ عالم ﷺ کی یہ پیشگوئی ہمارے زمانے کے لئے ہے۔

ہمارے زمانے میں جہالت کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ہر شعبے سے متعلق رائج جہالتوں پر ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے مگر ہم صرف مہینوں اور دنوں کے موضوع میں سے صفر المظفر کے حوالے سے جہالت پر مبنی چند باتیں پیش کر رہے ہیں، اُمید ہے ہماری یہ تحریر بہت سوں کی اصلاح میں کارگر ثابت ہو گی۔

صفر کے مہینے سے متعلق لوگوں میں رائج غلط رسم ورواج

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارقام کرتے ہیں:

ماہِ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گُریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہِ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

(بہارِ شریعت، ج۳، حصہ ۱۶، ص۶۵۹، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

خلیل العلماء علامہ مفتی خلیل خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ماہِ صفر کو جاہلوں میں منحوس سمجھا جاتا ہے، اس میں نہ شادی بیاہ کرتے ہیں نہ کوئی اور جائز تقریب بلکہ لڑکیوں تک کو اس ماہ میں رخصت کرنا معیوب و منحوس خیال کرتے ہیں حتی کہ بعض لوگوں میں اس ماہ کے دوران سفر کرنے سے بھی سخت پرہیز کیا جاتا ہے، خصوصا ماہِ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور عورتیں ان کو تیرہ تیزی کے نام سے یاد کرتی ہیں بلکہ عورتوں کی زبان میں اس مہینہ ہی کو تیرہ تیزی کا مہینہ کہا جاتا ہے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ (سنی بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص۵۶۷، فرید بک اسٹال، لاہور)

مزید لکھتے ہیں: فقیر نے اپنے ہی قصبہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ یوپی کے ایک مشہور محلے شیش گراں میں علی الصباح دیکھا کہ ہر گھر کے سامنے گھڑے، مٹکے، مٹی کے پیالے اور دوسرے برتن ٹوٹے پڑے ہیں، بڑا تعجب ہوا، آخر کار اس محلہ کے چند بوڑھوں سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ آج تیرہ تیزی (صفر) کی تیرہ (۱۳) تاریخ ہے، برتنوں میں بلائیں اترتی ہیں اسی لئے انہیں توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا جاتا ہے کہ بلائیں ٹلیں۔ فقیر نے خاص اس موضوع پر ایک جمعہ میں بیان کیا کہ وہ بلائیں بھی خوب ہیں کہ چینی شیشے اور تانبے کے برتنوں میں نہیں اترتیں اور گھر والے ہی عجیب ہیں کہ قیمتی برتنوں کو بلاؤں سے محفوظ کر لیتے ہیں، مٹی کے برتنوں کی حفاظت نہیں کر پاتے۔ آخر کار آہستہ آہستہ وہ رواج ختم ہونا شروع ہوا۔ (سنی بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص۵۶۷-۵۶۸، فرید بک اسٹال، لاہور)

اسی طرح ہمارے شہر کراچی میں کچھ مسلمان بہنیں کالے چنے بانٹتی ہیں کہ یہ مہینہ مردوں پر بھاری ہے۔

بعض خواتین آٹے کی گولیاں بنا کر نیٹی جیٹی (کراچی کا ایک مقام) کے پُل سے مچھلیوں کو ڈالتی ہیں اور کہتی ہیں یہ ہمارے مَردوں کا صدقہ ہے۔

صفر کا مہینہ منحوس نہیں ہے

اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''لَا صَفَرَ'' یعنی صفر کچھ نہیں۔

(صحيح البخاري، كتاب الطب، رقم الحديث: ٥٧١٧، ص١٤٤٩، دار إبن كثير، دمشق)

(صحيح مسلم، كتاب السلام، رقم الحديث: ٢٢٢٠، ص١٠٥٧، دار طيبة، الرياض)

اس حدیث کی شرح میں حضور سیدی شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عامہ آنرا محل نزولِ بلایا و حوادث و آفات دارند ایں اعتقاد نیز باطل است و اصلے ندارد

یعنی عوام اسے (یعنی صفر کے مہینے کو) بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وقت قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ باطِل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج۳، ص۶۲۰، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

آخری بدھ کی حقیقت

ماہِ صفر کا آخری بدھ پاکستان اور ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح کو نکل جاتے ہیں، خاندانوں کے افراد باغوں اور سمندروں کے کناروں یا ایسی ہی دوسری تفریح گاہوں میں جاتے ہیں، نہاتے دھوتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں آخری بدھ کو حضور ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

آئیں اس دن یعنی آخری بدھ اور حضور ﷺ کے غسلِ صحت کے حوالے سے چند بزرگانِ دین کے اقوال ملاحظہ کرتے ہیں؛

- حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(صفر کا) چہار شنبہ (بدھ) محض بے اصل ہے۔ (یعنی اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں)

(فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۴۰، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

- حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(آخری بدھ سے متعلق) یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں۔ (بہارِ شریعت، ج ۳، حصہ ۱۶، ص ۶۵۹، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

- وقارِ ملت علامہ مفتی وقار الدین قادری حامدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماہِ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ صحت یاب ہوئے تھے اور غسلِ صحت فرمایا تھا، درست نہیں ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے حضور ﷺ اُس مرض کہ جس میں آپ نے پردہ فرمایا تھا تندرست نہیں ہوئے۔ (وقار الفتاوی، ج ۱، ص ۲۰۲، ۲۰۳، بزمِ وقار الدین، کراچی)

- حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی اصل نہیں نہ اُس دن صحت یابیٔ حضور سیدِ عالم ﷺ کا کوئی ثبوت بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اُس کی ابتدا اِسی دن (یعنی آخری بدھ) سے بتائی جاتی ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج۲۳، ص ۲۷۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور) (احکامِ شریعت، حصہ ۲، ص ۲۰۰، شبیر برادرز، لاہور)

اس ماہ مخصوص اعمال کرنا یا آخری بدھ کو ختم کرنا

اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ خیر باعثِ برکت ہے، ماہِ صفر کے کسی دن ہو یا پورا سال، کسی دن کوئی ممانعت نہیں، مگر توہم پرستی یا فاسد اعتقاد رکھتے ہوئے ان اعما کو بجالانا درست طریقہ نہیں ہے مثلاً صفر کے ماہ میں سورہ مزمل یا مخصوص نوافل یا کسی آیت کا ورد کروانا فی نفسہ تو جائز ہے مگر اس اعتقاد اور نظریے کے ساتھ پڑھنا کے اس مہینہ کی نحوست سے محفوظ رہیں گے، غلط ہے۔

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے آخری بدھ سے متعلق ایک مخصوص عمل کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا:

قرآن عظیم کی ہر آیت ہمیشہ نور و ہدیٰ و برکت و شفا ہے، اور اس چہار شنبہ (بدھ) کی تخصیص محض بے معنٰی، بہر حال نفسِ فعل میں حرج نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج۲۳، ص ۲۷۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

محترم قارئین کرام!

بزرگوں کے ارشادات پڑھ کر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ صفر کا مہینہ منحوس نہیں ہے اور اسے منحوس سمجھنا جاہلیت کی روش ہے، نحوست اللہ کی نافرمانی میں ہوتی ہے ورنہ اللہ کے پیدا کردہ تمام دن، مہینے اور سال منحوس نہیں ہوتے، انسان کی زندگی پر اُس کے اچھے بُرے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

حق الیقین ترجمہ النور المبین[3]

(کلک مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری-قسط دوم)

اور فرمایا: قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الأنعام: ٦٣)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمائیے وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے، جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑ گڑا کر اور آہستہ۔

(قسط اول سے پیوستہ)

الفصل الثانی: توحید کے بارے میں

جان لینا چاہئے کہ اللہ معبود واحد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اُس کا نظیر، اور نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ اس کے لئے زوجہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ-إلى آخر السورة. (الإخلاص: 1-4) ترجمہ: آپ ﷺ فرمائیے کہ اللہ ایک ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل کثیر وجوہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان جوہات کی جانب رہنمائی فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمانے کے بعد اثباتِ توحید کے بیان میں کسی بیان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وجہ ُاول: ہر شے مخلوق ہے اور تمام مخلوق کو خالقِ واحد نے تخلیق کیا، اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ فعلِ واحد (تخلیق کرنا) دو فاعلوں سے صادر نہیں ہوتا، لہٰذا ثابت ہوا کہ خالق واحد ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[3] النور المبین فی قواعد عقائد الدین علمِ کلام واصولِ عقائد پر مشتمل امام ابو القاسم محمد بن احمد جُزَی الکلبی الغرناطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۱ےھ) کی بہت عمدہ تالیف ہے، یہ کتاب ۲۰۱۵ میں دار الامام ابن عرفہ-تونس اور المرکز العربی للکتاب-متحدہ عرب امارات کی مشارکت سے شائع ہو چکی ہے جس کا اردو ترجمہ فاضل محترم مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری حفظہ اللہ نے قلمبند فرمایا ہے۔ نفحاتِ حرم اِسے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

اس وجہ کا بیان اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے:

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ. (الفرقان:3)

ترجمہ: بنالئے ہیں (مشرکین نے) اُس کے سوا الٰہ، نہیں پیدا کرتے وہ کسی شے کو، اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔

اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ (فاطر:40) ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے کہ تمہارے وہ شرکا جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ یا اس کا آسمانوں میں کوئی شریک ہے؟

اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ (لقمان:11)

ترجمہ: یہ اللہ کی تخلیق ہے، پس تم مجھے وہ دکھاؤ جنہیں اللہ کے سوا کسی نے تخلیق کیا۔

وجہ ثانی: اللہ کی توحید پر یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ کے سوا ہر موجود مخلوق ہے جو کہ محدَث (پیدا کی گئی) ہے، اُن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اور مخلوق میں سے کوئی بھی اپنے خالق کا شریک نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا کوئی نظیر ہوتا ہے، نہ اس کے کوئی مماثل ہوتا ہے؛ اسلئے کہ مخلوق عبد ہے، اللہ تعالیٰ جب چاہے انہیں پیدا کرے اور جب چاہے ہلاک کرے۔ اس وجہ کا بیان اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف :194)

ترجمہ: بے شک وہ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی مثل بندے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا: قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ (الانعام:164)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے کہ کیا میں اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

وجہِ ثالث: اگر ہم دو اِلٰہ فرض کریں، پس ان میں سے ایک اِلٰہ کسی شخص کی موت کا ارادہ کرے اور دوسرا اِلٰہ اُس کی حیات کا ارادہ کرے، یا ان میں سے ایک جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا جسم کے سکون کا ارادہ کرے، تو یہ تین صورتوں سے خالی نہ ہو گا:

(الف) یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا ارادہ نافذ ہو گا، اور یہ محال ہے؛ کیونکہ کوئی شخص ایک وقت میں زندہ اور مردہ نہیں ہو سکتا، اور حرکت و سکون بھی جمع نہیں ہو سکتے۔

(ب) یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارادہ بھی نافذ نہیں ہو گا، چنانچہ یہ ان دونوں کو عجز اور کمزوری کی جانب لے جائے گا، اور یہ بھی محال ہے؛ کیونکہ ضروری ہے کہ کوئی شخص یا تو زندہ ہو یا مردہ، اور کوئی جسم یا حرکت میں ہو گا یا سکون میں ہو گا۔

(ج) یا تو ان دونوں میں سے ایک کا ارادہ نافذ ہو گا اور دوسرے کا نہیں ہو گا، چنانچہ جس کا ارادہ نافذ ہو گا، وہ اِلٰہ ہے، اور جس کا ارادہ نافذ نہیں ہو گا وہ اِلٰہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ مغلوب و مقہور ہو گا۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اِلٰہ واحد ہے، اور یہ مفہوم اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:22) ترجمہ: اگر اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ ہوتا تو ضرور فساد ہوتا۔

اور اللہ تعالی کے اس ارشاد میں:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا (الاسراء:42)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمایئے اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔

وجہِ رابع: اگر ہم دو اِلٰہ فرض کر لیں اور وہ دونوں خالق ہوں تو ضرور ان میں سے ہر ایک کیلئے اُس کی مخلوق ہو گی اور ہر ایک کی مخلوق دوسرے کی مخلوق سے ممتاز ہو گی لیکن ہم تمام مخلوقات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض کا

بعض سے ارتباط ہے، اور وہ محکم تدبیر وتقدیر پر جاری ہے، چنانچہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات کا خالق و مالک اور مدبر ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

مخلوقات میں سے بعض کا بعض سے ارتباط کا بیان یہ ہے کہ انسان اور تمام حیوان اپنی غذا نباتات سے حاصل کرتے ہیں جو کہ زمین سے نکلتے ہیں، اور نباتات اپنی غذا بارش سے حاصل کرتے ہیں جو آسمان سے اس وقت برستی ہے جب ہوائیں چلتی ہیں اور وہ ہوائیں بادل کے آنے کا سبب بنتی ہیں، اور سورج وچاند اپنے فلک میں مخصوص ترتیب پر ہیں، اور ان دونوں میں بے شمار منافع ہیں جیسے پھلوں کا ظاہر ہونا، دن اور رات کا آنا، مختلف فصلوں کا تیار ہونا، اور سال ومہینہ کی معرفت حاصل ہونا۔ پس اگر حیوان، نباتات، آسمان، زمین بادل، ہوا، سورج، چاند، دن اور رات کے آپس میں ارتباط میں غور کریں تو آپ کیلئے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ سب واحد قہار کی قدرت کے سبب مسخر ہیں۔

اس کے علاوہ یہ دلیل بھی ہے کہ دو بادشاہوں کا تصرف ایک ملک میں نہیں ہو سکتا، چونکہ عالم اپنے انتظام، بعض کا بعض سے ارتباط وغیرہ میں ایک ملک کے مشابہ ہے، لہذا یہ ممکن نہیں کہ رب واحد یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب ہو۔ اور یہ مفہوم اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

(المؤمنون:91) ترجمہ: اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تعلی چاہتا۔

مسئلہ: نصاریٰ کے رد کے بارے میں

جان لیجئے کہ عیسیٰ بن مریم (محمد ﷺ پر اور اُن پر اللہ کی رحمت ہو) اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کو، اُن کی والدہ مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر والد کے پیدا فرمایا، اور ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے جو ان کی نبوت و رسالت کی صحت پر دلیل ہیں، اور ان معجزات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا: جیسے ان کا ماں کی گود میں کلام کرنا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ، اور ان کا ہر ایک معجزہ اللہ کے اذن اور اس کی قدرت سے ہے۔

نصاریٰ لعنہم اللہ اِس معاملے میں غلو کر بیٹھے، اور انہوں نے ایسا بُرا کفر اختیار کیا کہ جس کو نہ تو عقول قبول کرتی ہیں اور نہ ہی مذاہب اُس کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے کفر و باطل اعتقاد سے رجوع کرنے کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ -إلى قوله- لَّن يَسۡتَنكِفَ ٱلۡمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبۡدٗا لِّلَّهِ وَلَا ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ٱلۡمُقَرَّبُونَ (النساء: 171-172) ترجمہ: اے اہلِ کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو، اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ، مسیح عیسی بن مریم اللہ کے رسول ہی ہیں اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح -الیٰ قول اللہ تعالیٰ- مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی مقرب فرشتے۔

نبی کریم ﷺ نے اُنہیں مباہلہ کی دعوت دی، تو انہوں نے منع کر دیا اس لئے کہ وہ جان چکے تھے کہ وہ حق پر نہیں اور اُنہیں نزولِ عذاب کا خوف تھا۔ ان میں سے جنہیں اللہ نے توفیق دی انہوں نے اسلام قبول کر لیا جیسے نجاّشی وغیرہ۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال ہیں، کیونکہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کی حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی دلیل ہے جس پر اعتماد کیا جائے، محض انہوں نے اپنا دین اس سے لیا ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اور اپنے دین کی بنیاد جھوٹ، خواب وغیرہ ایسے امور پر رکھی جو صحیح نہیں ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ضالّین یعنی گمراہ رکھا۔

- نصاریٰ میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ "عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں" (معاذاللہ)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا:

  وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (البقرۃ:116) ترجمہ: اور (نصاریٰ) نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا۔

- ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں "اللہ ہی عیسیٰ ہے" (معاذاللہ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ان سے حکایت بیان کی: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ:17)

  ترجمہ: تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح بن مریم ہے۔

- ان میں بعض تثلیث کے قائل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

  لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ:73)

  ترجمہ: تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تین میں تیسرا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ان کے قول سے بہت بلند ہے۔

نصاریٰ کے اس قول "بے شک عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں" کے باطل ہونے پر دلیل چار وجھوں سے ہے:

وجہ اول: اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بیٹے کو پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کرنے پر قادر تھا اور یہ مفہوم اللہ تعالی کے اس ارشاد میں ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: 59)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی مثل ہے جن کو اس نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان کیلئے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گئے۔

وجہ ثانی: بیٹے کے لئے اپنے باپ کی جنس سے ہونا ضروری ہے، اسی طرح زوجہ کے لئے بھی زوج کی صنف سے ہونا ضروری ہے، جبکہ اللہ کی مثل کوئی شے نہیں ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سلام اللہ علیہا بنی آدم کی صنف سے تھیں، چنانچہ واجب ہے کہ اللہ کیلئے بیٹا اور زوجہ نہ ہو۔ اور یہ مفہوم اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدہ: 75) ترجمہ: نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر رسول، تحقیق ان سے پہلے بھی کئی رسل گزرے اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

وجہ ثالث: زوجہ اور بیٹے کی جانب انسان کو حاجت ہوتی ہے اسلئے زوجہ اور بیٹا حاجت کیلئے بنائے جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے غیر کا محتاج ہونا صحیح نہیں، چنانچہ اس نے بیٹا اور زوجہ نہیں بنائے۔ اور یہی اللہ تعالی کے ارشاد کا مفہوم ہے: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ (یونس: 68)

ترجمہ: (نصاریٰ) کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا، وہ پاک ہے، اور غنی ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کا ہے۔

وجہِ رابع: اللہ کے سوا تمام موجودات اس کا غیر ہیں، کیونکہ اللہ نے سب کو پیدا کیا اور وجود بخشا، چنانچہ اس کیلئے بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿ؕ۹۲﴾ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿ؕ۹۳﴾

(مریم: 92،93) ترجمہ: رحمٰن کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے آسمانوں اور زمینوں میں سے، ہر ایک رحمٰن کے سامنے بطور بندہ حاضر ہو گا۔

نصاریٰ میں سے بعض کا قول "اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے" چار وجہوں سے باطل ہے:

وجہِ اول: مسیح علیہ السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

وجہِ ثانی: وہ کھاتے پیتے تھے، ان کو بھوک پیاس لگتی تھی، وہ سوتے تھے اور ان پر امورِ بشریہ طاری ہوتے تھے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔

وجہِ ثالث: نصاریٰ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیا گیا اور قتل کر دیا گیا، اور یہ ان کے اس قول "عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں" سے متناقض ہے، کیونکہ اللہ حیّ ہے جسے موت نہیں ہے، وہ اپنے قول "عیسیٰ کو صلیب دیا گیا اور وہ قتل ہوئے" میں جھوٹے ہوئے، اور انہوں نے یہ بات یہود کی من گھڑت باتوں سے سیکھی ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَ مَا قَتَلُوۡہُ وَ مَا صَلَبُوۡہُ وَ لٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ (النساء: 157)

ترجمہ: اور انھوں نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) نہ ہی قتل کیا، اور نہ ہی صلیب دی لیکن ان کیلئے اس میں شبہ کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا: اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران: 55)

ترجمہ: (اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

پھر انہوں نے واقعہ صلب کے سلسلے میں اپنے جھوٹ کو بر قرار رکھتے ہوئے صلیب کی عبادت کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ظاہر ہو گیا کہ ان کا دین باطل ہے جو ایک ایسے باطل پر مبنی ہے جس کا دوسرا حصہ بھی باطل ہے۔ اور عنقریب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئیں گے اور صلیب کو توڑدیں گے۔

وجہ ُرابع: عیسیٰ علیہ السلام چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔

نصاریٰ میں سے بعض کا قول "اللہ تین کا تیسرا ہے" تین وجہوں سے باطل ہے:

وجہ ُاول: وہ تمام بحث جو ہم نے توحید کے دلائل اور دو اِلٰہ کے محال ہونے کے سلسلے میں بیان کیں۔

وجہ ُثانی: عیسیٰ اور مریم علیہما السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے، نماز ادا کرتے اور روزے رکھتے تھے، اگر وہ دونوں اِلٰہ ہوتے تو وہ اپنے غیر کی عبادت نہیں کرتے، اور عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ (المائدہ: 72)

ترجمہ: مسیح علیہ السلام نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول اس انجیل میں بھی موجود ہے جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔

وجہ ُثالث: عیسیٰ و مریم علیہما السلام پر امور بشریہ طاری ہوتے تھے جبکہ الٰہ پر امور بشریہ طاری ہونا محال ہے۔

(جاری ہے)

کسی کتاب یا عبارت کی صحت کے جانچنے کے طریقے[4]

(✍ مولانا ابو الحسن محمد شعیب خان)

سیدی امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں کسی کتاب یا عبارت کی صحت جانچنے کے چند طریقے لکھے ہیں، جو درجہ ذیل ہیں:

اول: ''کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہونا اُن سے ثبوتِ قطعی کو مستلزم نہیں''
بہت رسالے خصوصا اکابرِ چشت کے نام ہیں جس کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں۔

دوم: ''کسی کتاب کا ثابت ہونا اُس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں''
بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب ''الیواقیت والجواہر'' امام عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے خصوصا حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام میں تو الحاقات کی گنتی نہیں، کھلے ہوئے صریح کفر بھر دیے ہیں جس پر در مختار میں علامہ مفتی ابو السعود سے نقل کیا:
''تیقنا أن بعض الیھود إفتراھا علی الشیخ قدس سرہ'' یعنی ہم کو یقین ہے کہ شیخ قدس اللہ سرہ پر یہ عبارتیں بعض یہودیوں نے گھڑ دی ہیں۔ (در مختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۸)

---

[4] یہ مضمون اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالے جحب العوار عن مخدوم بہار (مخدومِ بہار سے عیب کو روکنا) کی تلخیص ہے۔ اعلی حضرت کا یہ رسالہ فتاوی رضویہ کی پندرہویں جلد مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ (ادارہ)

سوم: "کتاب کا چھپ جانا اُسے متواتر نہیں کر دیتا"

کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا، اُس سے نقل کر کے کاپی ہوئی، سیدھی صاف باتوں میں کسی کتاب سے کہ ظنی طور پر کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو، اِسناد اور بات ہے اور ایسے امر میں جسے مسند کلمہ کفر بتایا اور اس سے توہین شان رسالت کے جواز پر سند لانا ہے، اس پر اعتماد اور بات۔

علما کے لئے ادنی درجہ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو۔

خطیب بغدادی بطریق عبد الرحمان سلمی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے راوی کہ فرمایا:

"إذا وجد أحدكم كتابا فيه علم لم يسمع عن عالم فليدع بإناء و ماء فلينقعه فيه حتى يختلط سوداه في بياضه" جب تم میں کوئی ایک کتاب پائے جس میں علم کی بات ہے اور اسے کسی عالم سے نہ سنا تو برتن میں پانی منگا کر وہ کتاب اس میں ڈبو دے کہ سیاہی سپیدی سب ایک ہو جائے۔

(الفتاوی الحدیثیہ بحوالہ الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح لہ الخ المطبعۃ الجمالیہ مصر ص ۶۵)

فتاوی حدیثیہ امام زین الدین عراقی سے ہے:

"نقل الإنسان ما ليس له به رواية غير سائغ بالإجماع عند أهل الدراية" یعنی علمائے کرام کا اجماع ہے کہ آدمی جس بات کی سند متصل نہ رکھتا ہو، اُس کا نقل اسے حلال نہیں۔ (ایضا ص ۶۴)

کون سے نسخے کی عبارت کو مصنف کا قول بنانا جائز ہے؟؟

ہاں اگر اس کے پاس نسخہ صحیحہ معتمدہ ہو کہ اُس نے یا کسی ثقہ معتمد نے خود اصل نسخہ سے مقابلہ کیا یا اس نسخہ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخہ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زیادہ ہو تو سب کا اسی طرح کے معتمدات ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقہ روایت ہے، اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بنانا جائز۔

فتاوی حدیثیہ میں ہے:

”قالوا ما وجد في نسخة من تصنيف فإن وثق بصحة النسخة بأن قابلها المصنف أو ثقة غيره بالأصل أو بفرع مقابل بالأصل وهكذا جاز الجزم بنسبتها إلى صاحب ذالك الكتاب و إن لم يوثق لم يجزم“یعنی علمانے بتایاجو عبارت کسی تصنیف کے کسی نسخہ میں ملے اگر صحتِ نسخہ پر اعتماد ہے یوں کہ اس نسخہ کو مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے یا اس نسخہ سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا، یوں ہی اس ناقل تک، جب تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلان کتاب میں یہ لکھا، جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ (ایضاص ۶۵)

مقابلہ کی اہمیت

مقدمہ امام عمرو بن الصلاح میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے ہشام سے فرمایا تم نے لکھ لیا؟ کہا ہاں۔ فرمایا: مقابلہ کر لیا؟ کہا نہ۔ فرمایا: لم تکتب تم نے لکھا ہی نہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲)

اسی میں امام شافعی و یحییٰ بن ابی کثیر سے ہے کہ دونوں صاحبوں نے فرمایا:

”من كتب و لم يعارض كمن دخل الماء ولم يستنج“یعنی جس نے لکھا اور مقابلہ نہ کیا وہ ایسا ہے کہ پانی میں داخل ہے اور استنجا نہ کیا۔ (مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲)

اسی میں ہے:

”إذا أراد أن ينقل من كتاب منسوب إلى مصنف فلا يقل "قال فلان كذا و كذا" الا إذا وثق بصحة النسخة بأن قابلها هو أوثق غيره بأصول متعددة“یعنی جب کسی کتاب سے کہ کسی مصنف

کی طرف منسوب ہے کچھ نقل کرنا چاہے تو یوں نہ کہے کہ مصنف نے ایسا کہا جب تک کہ صحتِ نسخہ پر اعتماد نہ ہو یوں کہ اُس نے خواہ کسی ثقہ نے اسے متعدد صحیح نسخوں سے مقابلہ کیا ہو۔ (ایضاصفحہ ۸۷)

اسی میں ہے:

"یطالع أحدهم کتابا منسوبا إلی مصنف معین و ینقل منه عنه من غیر أن یثق بصحة النسخة قائلا "قال فلان کذا و کذا أو ذکر فلان کذا و کذا" والصواب ما قدمناه (أیضا) و لفظ الفتاوی الحدیثیة عنه والصواب أن ذلك لا یجوز"یعنی کسی معین مصنف کیطرف منسوب کتاب میں ایک عبارت دیکھ کر آدمی نقل کر دیتا ہے کہ مصنف نے ایسا کہا حالانکہ صحت نسخہ پر وثوق (بروجہ مذکور کہ اصل نسخہ مصنف سے بلاواسطہ یا بوساطت ثقات اس نے یا اور ثقہ نے مقابلہ کیا ہو) حاصل نہیں، مثلا یوں کہے کہ فلان نے یوں یوں کہا یا فلاں نے یوں یوں ذکر کیا، حق یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔

(الفتاوی الحدیثیہ مطلب ان الانسان لایصح لہ ان یقول الخ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ص ۶۵)

امام نووی نے تقریب میں فرمایا:

"فإن قابلها بأصل محقق معتمد أجزاه"یعنی اگر ایک اصل تحقیق معتمد سے اس نے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ (تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الاول الصحیح دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۰)

یعنی اصول معتمدہ متعدد سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے۔

یہ اتصالِ سندِ اصل وہ شی ہے جس پر اعتماد کر کے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے۔

متاخرین نے کتاب کا علما میں ایسا مشہور ہونا جس سے اطمینان ہو کہ اس میں تغییر و تحریف نہ ہوئی، اسے بھی مثل اتصالِ سند جانا اور وہ ایسا ہی ہے۔

مقدمہ امام ابو عمرو نوع اول میں ہے:

"الأمر أن الإعتماد على ما نصه عليه في تصانيفهم المعتدة المشهورة التي يؤمن فيها لشهرتها من التغيير والتحريف (ملخصا)"یعنی آخر قرار داد اس پر ہوا کہ اعتماد اس پر ہے جو ایسی مشہور و معتمد کتابوں میں ہو جن کی شہرت کے سبب ان میں تغییر و تحریف سے امان ہو، (ملخصا)۔

(مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول الصحیح فاروقی کتب خانہ ملتان ص۹)

فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار میں فرمایا:

"على هذا لو وجدنا بعض نسخ النوادر في زماننا لا يحل عزوما فيها إلى محمد والا إلى أبي يوسف لأنهم لم تشتهر في ديارنا و لم تتداول"یعنی اگر کتبِ ستہ (امام محمد علیہ الرحمہ کی مشہور چھ کتب) کے سوا اور کتبِ تلامذۂ امام کے بعض نسخے پائیں تو حلال نہیں کہ ان کے اقوال کو امام محمد یا امام ابو یوسف کی طرف نسبت کریں کہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور و متداول نہ ہوئیں۔

(فتح القدیر کتاب الحوالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۶۰)

تداول سے کیا مراد ہے؟

تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کی مطمح نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علما کے زیر نظر آچکے اور وہ بحالت موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کئے، زبان علما میں صرف وجودِ کتاب کافی نہیں کہ وجود تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وجود نسخ سے کیا مراد ہے؟

وجود نسخ، انصافا متعدد بلکہ کثیر ووافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوت تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کئے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل و نقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے، جیسے آج کل کی محرف بائبل کے ہزار در ہزار نسخے، فتوحات مکیہ کے تمام مصری نسخے نسخہ محرفہ سے منقول ہوئے اور اس کی نقلیں مصر میں چھپیں اور اب وہ گھر گھر موجود ہیں، حالانکہ تواتر درکنار ایک سلسلہ صحیحہ آحاد سے بھی ثبوت نہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ (اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔) (القرآن الکریم ۳۳/۴)

علامہ شامی کا ظن پر اکتفا صاف باتوں کے لئے وجہ ہے مگر ایسے امور میں اس پر قناعت قطعا حرام، ورنہ معاذاللہ اکابر ائمہ واعاظم علماء کی طرف نسبت کفر ماننی پڑے، ہماری نظر میں ہیں وہ کلمات جو اکابر اولیا سے گزر کر اکابر علما معتمدین مثل امام ابن حجر مکی وملا علی قاری وغیرہما کی کتبِ مطبوعہ میں پائے جاتے ہیں، اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ الحاقی ہیں۔

الحاقات کی مثال

ایک ہلکی نظیر علی قاری کی شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۴ پر ہے:

"ما سمي به الرب نفسه و سمي به مخلوقاته مثل الحي والقيوم والعليم والقدير"

نام کہ رب تعالی نے اپنے لئے اور مخلوق کے لئے مقرر فرمائے وہ مثل حی، قیوم، علیم، قدیر ہیں۔

(منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر اللہ سبحانہ اوجد المخلوقات مصطفی البابی مصر ص ۳۹)

اس میں مخلوقات پر قیوم کے اطلاق کا جواز ہے حالانکہ ائمہ فرماتے ہیں کہ غیرِ خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"إذا أطلق على المخلوق من الأسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقيوم والرحمن وغيرها يكفر" یعنی جو اللہ تعالی کے مخصوص ناموں میں سے کسی نام کا اطلاق مخلوق پر کرے، جیسے قدوس، قیوم اور رحمن وغیرہ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیا التراث العربی بیروت ۱/۶۹۰)

اسی طرح اور کتابوں میں ہے، حتی کہ خود اسی شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۴۵ میں ہے:

"من قال لمخلوق يا قدوس أو القيوم أو الرحمن كفر" یعنی جو کسی مخلوق کو قدوس یا قیوم یا رحمٰن کہے کافر ہو جائے۔ (منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص۱۹۳)

پھر کیونکر مان سکتے ہیں کہ وہ صفحہ ۷۴ کی عبارت علی قاری کی ہے، ضرور الحاق ہے اگر چہ کتاب اجمالا مشہور ومعروف ہے۔

خلاصہ کلام

کسی بھی کتاب یا عبارت کی صحت معلوم کرنے کے تین طریقے ہیں:

* اول * کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہونا اُن سے ثبوتِ قطعی کو مستلزم نہیں۔

* دوم * کسی کتاب کا ثابت ہونا اُس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں۔

* سوم * کتاب کا چَھپ جانا اُسے متواتر نہیں کر دیتا۔

تاریخ کی کتابوں مسیں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ

(کالم مولانا فرحان رفیق قادری)

صحابہ کرام کی ناموس پر حملے سے لے کر منکرِ قرآن وحدیث تک، تمام دشمنانِ اسلام کے ملتِ اسلامیہ پر حملوں کا طریقہ کار تقریباً یکساں رہتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین حملہ تاریخی کتب کی روایات کے ذریعے صحاح کی روایات کو رد کرنا اور صحابہ کرام پر کیچڑ اچھالانا ہے۔

احادیث کی تدوین کا کام خلافتِ بنو امیہ کے دور میں ہوا۔ اس کو دلیل بنا کر رافضی اور ان کے ہم نوا کتبِ صحاح پر طعن کرتے ہیں، حتی کہ معاصر محقق ظہور احمد فیضی شیعی صاحب نے شبلی نعمانی کا حوالہ دیا کہ بنو امیہ کے دور میں فضائل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے احادیث گھڑی گئیں جبکہ موصوف کی نقل کردہ عبارت کے ساتھ ہی شبلی نعمانی نے لکھا:

عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشن گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اُسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں آج حدیث کا فن اس خس وخاشاک سے پاک ہے۔ (سیرت النبی، جلد 1، صفحہ 67)(الاحادیث الموضوعہ، صفحہ 26)

احادیث، اسلام کا ایک اہم مصدر ہونے کی بنا پر ہمیشہ علما کی توجہ کا مرکز رہی ہیں اسی لیے رافضیوں ناصبیوں کی روایت کردہ موضوع احادیث کی چھان پھٹک شروع سے ہی ہو گئی۔ تاہم کتبِ تاریخ جن کی تدوین بعد میں ہوئی ان کی طرف خاص توجہ نہ دی جا سکی۔ اور اس پر طُرہ یہ کہ ان کی تدوین بھی زمانہ عباسیہ میں ہوئی جن کے بادشاہ بنو امیہ کے سخت خلاف تھے حتی کہ بنو امیہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام پر بھی تنقید کرتے نہیں تھکتے تھے۔

شبلی نعمانی لکھتا ہے:

"إن المؤرخين باسرهم كانوا باسرهم في عصر بني العباس و من المعلوم أنه لم يكن يستطيع أحد أن يذكر محاسن بني أمية في دولة العباسيين فإذا صدر من أحد شئ من ذلك كان يقاسي قائلها أنواعا من الهتك والإيذاء وخامة العاقبه كم لنا من أمثال هذه في أسفار التاريخ" یعنی اسلامی تاریخ کے مورخین عموماً بنو عباس کے عہد میں پیدا ہوئے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنو امیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس کے قائل کو کئی قسم کی ایذاوں کا سامنا کرنا پڑتا اور بے عزتی کے ساتھ ساتھ ناموافق انجام سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا، ادوارِ تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ (الانتقاد علی کتاب التمدن اسلامی صفحہ 24)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کتبِ تاریخ میں نقل کردہ روایات میں سے اکثر کذاب و دجال ہوں تو ایسی صورت حال میں ان پر اعتماد کر کے صحابہ پر طعن کرنا اور احادیث پر اعتراض کرنا سوائے حماقت کے کچھ نہیں۔

ع شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں برساتے دیوار اہنی پہ حماقت تو دیکھیے

تاریخی کتب کے غیر معتمد روایات سے بھرپور ہونے اور مؤرخین کی بے راروی کی بنا پر اکابر ناقدین نے بھی ان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ جیسے حذاق عالم نے قطعی طور پر کتبِ تواریخ سے منہ موڑ لیا۔

امام اہلسنت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تضجرا الذهبي عن خلاعة اكثر السير والتواريخ فعافها عن آخرها و اطمان إلى دلائل البيهقي قائلا أنه النور كله"یعنی ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 28 صفحہ 544 رسالہ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی)

کتب تواریخ میں اہم ترین نام حافظ ابن جریر طبری کی کتاب "تاریخ الرسل والملوک" ہے جو کہ خاص وعام کے ہاں تاریخِ طبری کے نام سے مشہور ہے۔

حافظ ابن جریر کا مکمل نام محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، ابو جعفر الطبری ہے۔

اگرچہ ان کی کتاب سے قبل بھی تاریخ فتوح الشام، مغازی للواقدی، یعقوبی اور بلاذری وغیرہ کی کتب موجود تھیں لیکن اس کتاب کو جو پزیرائی حاصل ہوئی وہ اُن کو نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے بعد میں آنے والے ہر مؤرِخ نے تاریخِ طبری سے سیر حاصل استفادہ کیا اور ان کی روایات کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے خواہ وہ الکامل ابن اثیر، المحن، ابن خلدون اور البدائیہ والنہائیہ ہی کیوں نہ ہو۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے شیعہ خواہ معاصر ہو جیسا کہ قاری ظہور فیضی یا ماضی قریب میں گزر چکے ہوں۔ ان کا مقصد کتبِ تواریخ کی روایات کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ جب ان روایات پر تحقیق کی جاتی ہے اکثر کا اصل مخرج تاریخ طبری ہی نکلتا ہے۔ تاریخ طبری کی بلا مبالغہ اسی فیصد سے زائد روایات ضعیف اور کذاب راویوں کی روایت کردہ ہیں۔

معاصر محقق دکتور خالد کبیر علال نے طبری کی روایات کا خاکہ پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

کذاب راویوں میں سے

پہلا راوی: محمد بن سائب کلبی ہے میں نے غور کیا کہ اس کی 12 روایات کتاب میں ہیں۔

دوسرا راوی: ہشام محمد بن کلبی اس کی 55 روایات کتاب میں موجود ہیں۔

تیسرا راوی: محمد بن عمر واقدی اس کی 440 سے زائد روایات مجھے ملی۔ کثیر مقام پر صرف اس کا نام کی محمد بن عمر ہی مذکور ہے۔ (یاد رہے یہ تحقیق ڈاکٹر خالد کبیر علال کی ہے جبکہ سیدی امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ نے واقدی کو ثقہ شمار کیا ہے۔)

چوتھا راوی: سیف بن عمر تمیمی اس کی 700 سے زائد روایات مجھے ملیں۔

پانچواں راوی: ابو مخنف لوط بن یحیٰ اس کی 612 سے زائد روایات مجھے ملیں۔

چھٹا راوی: ہیثم بن عدی اس کی 16 روایات مجھے ملیں۔

آخری راوی: محمد بن اسحاق بن یسار جو کہ متہم بالکذب ہے۔ اس کی 164 سے زائد روایات مجھے ملیں۔

ان کذاب راویوں کی روایات کا مجموعہ 1999 بنتا ہے جو کہ تاریخ طبری میں موجود ہے یہ بڑے اخباری کذاب راویوں کی طرف سے بہت بڑی تعداد ہے۔

پانچ بڑے ثقہ اخباری راویوں کی روایات کتاب میں درج ذیل ہیں:

زبیر بن بکار: اس کی 8 روایات ہیں۔ محمد بن سعد اس کی 164 روایات ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ: اس کی 7 روایات ہیں۔

خلیفہ خیاط اس کی صرف ایک روایت مجھے ملی۔

وہب بن منبہ: 46 روایات ہیں۔

ان سب کا مجموعہ 209 روایات ہیں۔

(مدرسۃ الکذابین فی روایۃ التاریخ صفحہ۔50۔51)

ابن جریر طبری اکثر علماء کے نزدیک سنی تھے، حافظ ذہبی نے تشیع یسیر لکھا ہے۔ جبکہ شیخ الحدیث علامہ محمد علی نقشبندی رحمہ اللہ نے بعض وجوہات کی بناپر تشیع کا قول کیاہے۔ اگر وہ صحیح ثابت ہو تو ان کے تشیع میں شک نہ رہے۔ خیر۔۔

حافظ طبری رحمہ اللہ نے مقدمے میں اقرار کیاہے کہ مجھے جو کچھ ملاہے میں نے ڈال دیا۔ میں نے ایسی باتیں بھی ڈال دی ہیں جو پڑھنے والے کو قطعاً پسند نہ آئیں گی۔ لکھتے ہیں:

”فما يكن في كتابي هذا من خبر ذكرناه عن بعض الماضين مما يسكنكره قارئه، أو يستشنعه سامعه، من أجل أنه لم يعرف له وجها في الصحة، ولا معنى في الحقيقة، فليعلم أنه لم يؤت في ذلك من قبلنا، و إنما أتى من قبل بعض ناقليه إلينا، و إنا إنما أدينا ذلك على نحو ما أدى إلينا“ یعنی میری اس کتاب میں میری طرف سے ذکر کردہ پچھلے زمانے کی وہ باتیں جن کو پڑھنے والا اچھانہ سمجھے، سننے والے کو گراں گزریں بوجہ یہ کہ نہ ان کا صحیح ہونا معلوم ہوا اور حقیقی طور پر بھی وہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جان لیا جائے کہ ایسی باتیں میری طرف سے نہیں ہیں، بلکہ وہ بعض ناقلوں نے ہم تک پہنچائی اور ہم نے اسی طرح نقل کردیں جس طرح ہم تک پہنچی۔ (تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 8)

اس عبارت سے حافظ طبری خود تو بری الذمہ ہو گئے۔ لیکن جمع روایات کی بناپر طاعنین کو موقع مل گیا بلا تنقیح جو بھی روایت اپنے مطلب کی ملے گی اس کو عوام میں پھیلا کر نظریات خراب کیے جائیں گے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ظلم کتبِ تواریخ بالخصوص طبری کا اردو ترجمہ کرنے والوں نے کیاہے کہ عوام میں فقاہت و کلام کی بجائے تاریخ پڑھنے کا ذوق زیادہ ہوتا ہے جب اردو داں قاری جمل و صفین، تحکیم و قتلِ حجر، سب و شتم یا واقعہ کربلا کے

متعلق گھسی پٹی روایات پڑھنے سے صحابہ پر طعن کرے گا تو اس کا سہرا مترجمین کے سر ہی جائے گا۔ اور ایسا ہی ہو رہا ہے، منبروں پر گالیاں دینا، ستر سال لعن طعن کرنا وغیرہ ساری جھوٹی روایات انہیں کتبِ تواریخ کی عطا کردہ ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ۔۔۔

* اکابر محققین کتب تواریخ کی از سرِ نو جانچ پڑتال کریں۔ من گھڑت روایات کی نشاندہی کریں۔

* ترجمہ کرنے والے حضرات ہر روایت کے تحت اس کی سندی حیثیت بھی بیان کریں تاکہ عوام پھسلنے سے محفوظ رہیں۔

* عوام کتب تواریخ کی کوئی بھی بات جو کسی مسلمہ شخصیت یا عقیدے پر طعن کا سبب بنتی ہو اس کو قطعاً قبول نہ کریں کہ عقائدِ اسلامیہ، عظمتِ صحابہ و اہلبیت قرآن و احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کو چھوڑ کر تاریخ پر یقین کرنا عروہ وثقی کو چھوڑ کر کچے دھاگے کو پکڑنے کے مترادف ہے جس کا ادنی سا انجام بھی گمراہیت ہے۔ فتدبر۔

شاہ وجیہ الدین محدث گجراتی-ایک ہمہ جہت شخصیت[5]

(✍ مولانا نازش المدنی مراد آبادی)

شیخ المحدثین علامہ سید شاہ وجیہ الدین علوی محدث گجراتی نور اللہ مرقدہ کا شمار بر صغیر ہند و پاک کے ان مایہ ناز علماء و محدثین میں ہوتا ہے جن کی پوری زندگی فنِ حدیث کی خدمت کرتے ہوئے گزری آپ علیہ الرحمہ ایک کثیر الدروس اور کثیر التصانیف عالمِ ربانی تھے، آپ کی تدریسی زندگی تقریباً 64 سال کو محیط ہے اور تصنیفی خدمات تو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

آپ علیہ الرحمہ نے درسیات پہ جو شروح و حواشی تحریر فرما کر امت پہ احسان کیا ہے وہ رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا اور واقعی یہ قابلِ ستائش امر ہے کہ ایک عالم ربانی کا تن تنہا درسیات پہ ایسی وجیز و لطیف شروح و حواشی کا لکھ جانا جن کی مثال نہ مل سکے کوئی اوکھا اور آسان کام نہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد 300 سے زائد ہے۔

اب آیئے ایسی عظیم الشان شخصیت کے کچھ اوصاف و کمالات جانتے ہیں۔

انہماکِ تحصیلِ علم

علم کی جب لگن پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی کو نہ لہو و لعب سے دلچسپی رہتی ہے اور نہ ہی دنیا کے کسی مشغلے سے لگاؤ۔ شوقِ مطالعہ اور انہماکِ علمی اسے گھریلو دلچسپیوں سے بھی بے پرواہ کر دیتا ہے۔ شاہ صاحب اپنے دور کے

---

[5] شاہ وجیہ الدین محدث گجراتی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھا گیا یہ مضمون کتاب "شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی: احوال و آثار" سے ماخوذ ہے، جسے انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی نے اپریل ۲۰۱۵ میں شائع کیا ہے، مضمون نگار کے اقتباسات وہیں سے ماخوذ ہیں۔ (ادارہ)

ان طالب علموں میں سے تھے جو ہمہ وقت اساتذۂ کرام کی خدمت میں رہتے ان سے استفادہ کرتے، شاہ صاحب کے شاگرد رشید مولوی محمد حسن منڈوی شیخ عبد القادر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ،

آپ کا جس رات میں نکاح ہوا اپنی اہلیہ کے گھر ایک مجمع کے ساتھ گئے تھے، ہندوستان میں ایک رواج ہے کہ داماد اور عروس کو صبح کے وقت بنا سنوار کر ایک آراستہ کیے ہوئے تخت پر بٹھاتے ہیں اور کچھ تکلفات کام میں لاتے ہیں آپ نے اس رسم کو بالکل پسند نہ کیا اور معینہ وقت پر مدرسہ میں چلے گئے اور اس طرح یہ رسم پوری نہ ہو سکی۔

روحانی بشارت

شاہ صاحب چونکہ خود بھی ذہین وفطین تھے اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ قسمت سے اساتذۂ کرام بھی نہایت ہی جید ملے، شوق مطالعہ اور کتب بینی نے صلاحیت میں چار چاند لگا دیئے۔ شاہ صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ،

جب فقیر کے استاد مولانا عماد الدین طارمی کی وفات ہو گئی تو نہایت تاسف ہوا اور ہمیشہ اسی غم میں رہتا تھا کہ اگر ان کی زندگی اور باقی رہتی تو مزید علوم حاصل کرتا، اتفاقاً ایک رات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں "اے فرزند! غم مت کر جو علم تیرے استاد کو آتے تھے ان پر تیس علم اور زیادہ کر کے تجھ کو عنایت کیے گئے ہیں اور ایک کاغذ جس میں علوم کے نام لکھے تھے میرے ہاتھ میں دیے جب میں نے دیکھا تو ان علوم کے نام تھے جو مجھ کو عنایت کیے گیے تھے، اس کی خوشی میں بیدار ہو گیا یہ اسی کی برکت تھی کہ علوم میں سے جس علم کی طرف متوجہ ہوتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا برسوں اس کا درس دے چکا ہوں۔

خوشامد سے پرہیز

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی شخص علو ہمتی سے اونچے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو کچھ لوگ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں اور کچھ اس کے خوشامد کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں حضرت شاہ وجیہ الدین علیہ الرحمہ کے عہد میں

بھی یہ دونوں گروہ موجود تھے مخالفوں نے تو آپ کو اکبرِ اعظم کے دربار میں بطور ایک مجرم کے پیش کروایا اور خوشامد کرنے والے طبقے کی آنکھوں نے آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک صاحب تشریف لائے اور آپ سے مل کر برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نمی دانم کہ ایں ذات وجیہ الحق والدین است　　　کہ باذات خداوند تعالی صورت این است

(مجھے نہیں معلوم کہ یہ وجیہ الدین کی ذات ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات اسکی صورت میں ہے)

شاہ صاحب نے جب یہ سنا تو اس سے فرمایا کہ * "حال بدست آر، این قال را بگذار" * یعنی حال پیش کر اور یہ بات چھوڑ دے اس طرح آپ علیہ الرحمہ نے اپنی خوشامد سے بچنے کا طریقہ اختیار کیا۔

رحم دلی

حضرت شاہ صاحب انتہائی رحم دل شخص تھے جب کہیں ایسا واقعہ پیش آیا جہاں آپ کچھ کر سکتے تھے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ اتفاقاً ایک جگہ سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک قیدی کو بے گناہ قتل کے لیے لے جایا جا رہا ہے اس نے آپ سے رہائی کے لیے التجاء کی اور اسکی حالت کو ملاحظہ کر کے آپ نے لوگوں سے تحقیقات کرائی، معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے اور اصل مجرم کوئی اور ہے چنانچہ فوراً آپ نے بادشاہ وقت سے سفارش کی اور بادشاہ نے یہ کہہ کر فوراً رہائی کا حکم دیا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے اس کو تو رہا ہونا ہی چاہیے لیکن اگر آپ مجھ سے سفارش نہ فرماتے تب بھی میں رہا کر دیتا۔

انسان کے اچھے پہلو پر نظر

شاہ صاحب کی ایک اور صفت محمودہ و پسندیدہ تھی۔ وہ یہ کہ انسان کے عیوب پر کم نظر ڈالتے تھے ہمیشہ اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کو دیکھتے۔ وہ عیب جوئی، نکتہ چینی اور دل آزاری کے بجائے اسکی زندگی کے اچھے پہلو کو دیکھتے اور حوصلہ افزائی فرماتے گویا وہ عیب میں بھی ہنر کا پہلو تلاش کر لیتے، چنانچہ محمد حسن غوثی کہتے ہیں:

ایک روز اثنائے درس میں ایک طالب علم نے اس وقت کے ایک جاگیر دار کا حال بیان کرنا شروع کیا اور شیریں عبارت سے اسکی تنگ دلی، کوتاہ دستی، امساک اور بخل ظاہر کیا، آپ نے فرمایا: یہ اس کی صفت سب لوگوں کے واسطے عموماً اور خدا پرستوں کے واسطہ خصوصاً اچھی ہے کیوں کہ وہ اس صفت سے دلوں کی حفاظت طمع، طلب، اور آرزو پیدا ہونے سے کرتا ہے یہ بلکل سچ ہے۔

اپنے ایک شاگرد پہ خاص عنایت

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ایک طالب علم کند ذہین تھا، ذہین طلبہ اسکا مذاق اڑاتے، ایک روز اس کمزور طالب علم نے ذہین طلبہ سے انکی ذہانت کا راز پوچھ لیا کہ تم کس طرح سے اسباق سمجھ لیتے ہو؟ طلباء کا مزاج چونکہ مزاحی ہوتا ہے لہذا انہوں کہا کہ ہم مدرسہ کے حوض کی تہہ میں جمی ہوئی کائی رات کو اٹھ کر کھاتے ہیں، یہ وجہ ہے کہ ہم اسباق کو با آسانی سمجھ لیتے ہیں آپ بھی اس طریقہ پہ عمل کرو بہتر ہو جائے گا۔ بہر حال جب رات کا پہلا پہر گزرا تو وہ کند ذہین طالب علم حوض میں داخل ہو کر تہہ میں کائی تلاش کرنے لگا شاہ صاحب کے معمولات میں چونکہ تہجد گزاری شامل تھی لہذا شاہ صاحب رات کے پچھلے پہر میں بیدار ہوئے اور حوض پہ جب وضو کرنے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں آپ کا وہ کند ذہن طالب علم حوض میں غوطہ زن ہے اور کچھ تلاش کر رہا ہے آپ نے جب یہ دیکھا تو بطور استعجاب پوچھا "بیٹا یہاں رات میں کیا کر رہے ہو؟" طالب علم نے جھجکتے ہوئے انداز میں مذکورہ واقعہ گوش گزار کیا، شاہ صاحب نے اسکو باہر نکالا اور بطور شفقت اسکے سینہ پہ ہاتھ پھیرا پھر جب صبح ہوئی اور درس گاہ لگی شاہ صاحب جیسے ہی مسند تدریس پہ بیٹھے تو اسی طالب علم کو اپنے پاس بلایا اور اپنی مسند تدریس پہ بٹھا کر فرمایا "بیٹا آج آپ پڑھاؤ، یہ کہنا تھا وہ طالب جس کو خود سبق سمجھ نہیں آتا تھا علوم و معارف کے دریا بہانے لگا اور اسباق کی گتھیاں سلجھانے لگا اور تمام طلبہ جنہوں نے اس کا مذاق اڑایا تھا وہ سب محوِ حیرت تھے کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے اس طرح شاہ صاحب نے اسکی قسمت کا تارہ عوجِ ثریا پہ پہنچا دیا۔

نگاہِ مردمومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں　　جو ہو یقیں پیدا تو کٹ جاتیں ہیں زنجیریں

آج بھی شاہ صاحب کے دربار میں لاکھوں زائرین کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، شاہ صاحب کی جیتی جاگتی ایک کرامت آج بھی موجود ہے کہ آپ کے آستانہ کے پیچھے والے دروازہ پہ شکر (چینی) پڑی رہتی ہے اسکو اگر لکنت زدہ (جس کی زبان میں تتلاہٹ ہو) چانٹ لے تو اسکی لکنت دور ہو جاتی ہے اور وہ شفایاب ہو جاتا ہے خود بندہ ناچیز کو یہ سعادت بارہا حاصل ہوئی ہے بڑے بڑے علماء جب وہاں حاضر ہوتے ہیں تو وہ بھی اس شکر کو چانٹتے ہیں اور ساتھ ہی حضرت کی درگاہ کے قریب موجود حوض کے بالکل برابر میں قدرتی پانی بھی نکلتا ہے جسے زائرین بطور تبرک نوش کرتے اور ساتھ لے جاتے ہیں۔

وہ زمانہ کبھی نہیں بُھلایا جا سکتا جس وقت میں جامعۃ المدینہ احمد آباد میں زیر تعلیم تھا اس زمانہ میں ہفتے کے اکثر دن کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز عصر شاہ صاحب کے آستانہ اقدس پہ حاضری ہوتی تھی اور درود و فاتحہ خوانی کا سلسلہ رہتا اور امتحان کے دنوں میں عصر تا قبل عشاء تقریبا مکمل تیاری حضرت کے آستانہ پر رہ کر کرتا تھا اور باقی ٹائم میں حضرت کے آستانہ پہ رکھی ہوئی تفسیر اشرفی کا بھی مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔

دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ الکریم قبلہ شاہ صاحب کا فیضان ہم تمام پر تا ابد قائم و دائم فرمائے۔

آمین بجاہ طہ ویس ﷺ

بدگمانی سے بچو

(✍ مولانا ابو صفوان صدام حسین جامعی ازہری)

اربابِ فکر و نظر کے نزدیک صالح اور مثالی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں پاکیزہ فکر اور حسنِ ظن کا دخل مسلمہ حقیقت سے کم نہیں، اس کی بنا پر سماج اجتماعی و انفرادی دونوں طریقوں پر مکمل قلبی اطمینان کا مظہر ہوتا ہے، آپسی محبت و الفت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، سکون نفس اطمینان قلب راحت جان اور عافیت بدن حاصل ہوتی ہے، اور جہاں پر بدظنی کی لہر ہو وہاں آپسی محبت کی روح مر جاتی ہے، اخوت و بھائی چارگی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے، رنجشوں کی بھٹی ہر وقت دہکتی رہتی ہے جو تعلقات کو جلا کر خاکستر کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، پھر اخلاقی معاشرتی معاشی سیاسی زندگی میں جو تباہ کن فسادات رونما ہوتے ہیں ان کے تصور ہی سے سعید روحوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

ظاہری طور پر تو بدظنی ایک برائی ہے مگر حقیقت میں کئی برائیوں کا پیش خیمہ ہے نیز یہ باعثِ ننگ و عار، وجہ شرم و ندامت، سببِ ذلت و خواری ہے۔

ظن کی تعریف و اقسام اور حسن ظن کے فوائد اور بدظنی کے مہلکات مندرجہ ذیل سطور میں ملاحظہ کریں۔

ظن کا لغوی معنی: بلایقین کسی بات کا علم ہونا، خیال کرنا، گمان کرنا، کبھی یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ظن يظن (بضم الظا) ظنا ظان مظنون، الظن ج ظنون، أظانين

ظن کی اصطلاحی تعریف: إدراك الذهن الشئ مع ترجيحه

احتمالِ نقیض کے ساتھ جہتِ اثبات و نفی میں سے کسی ایک کا راجح ہونا۔ (معجم المعانی آن لائن)

علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ظن کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔واجب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا

۲۔ مستحب: مومن صالح کے ساتھ نیک گمان

۳۔ ممنوع و حرام: اللہ عزوجل کے ساتھ برا گمان کرنا اور مومن کے ساتھ برا گمان کرنا

۴۔ جائز: فاسق معلن کے ساتھ ایسا گمان کرنا جیسے افعال اس سے ظہور میں آتے ہیں

(خزائن العرفان تحت آیۃ اجتنبوا کثیرا من الظن)

قرآنی آیات

ا۔ قال اللہ تعالیٰ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (۱۲)

(الحجرات: 16)

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو، بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے، اور عیب نہ ڈھونڈھو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی پسند رکھے کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہو گا، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔

شرح آیت: اس فرمانِ عالی شان میں بد گمانی سے منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کسی کے تعلق سے برا گمان کرتا ہے تو یہ سوء ظن اسے عیب جوئی پر ابھارتا ہے، اور جب نقائص پر مطلع ہو جاتا ہے تو اپنی تعظیم و توقیر

کے پیش نظر اس کی اشاعت کرتا ہے، اسی کا نام غیبت ہے، اور غیبت گناہِ عظیم ہے، جس کے قبح کو بیان کرتے ہوئے رب ارشاد فرماتا ہے: اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے قول " يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ "کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے، اور اُس کے قول " اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ "کا معنی ہے کہ دوسرے مومن کے تعلق سے بدظنی گناہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، اور جس کام سے اس نے روکا ہے اسے بجالانا گناہ ہے۔ (تفسیرِ طبری، ج۱۳، ص۱۷۴، دارالفکر، بیروت)

اس فرمان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سوء ظن سے منع فرمایا، لیکن اگر کوئی شخص بدگمانی کا شکار ہو جائے، تو عیب جوئی سے پرہیز کرے، اور اگر عیوب سے آگاہ ہو گیا تو اس کی نشر و اشاعت سے خود کو روکے، اور اگر اس میں بھی مبتلا ہو گیا تو اب اللہ کی بارگاہ میں باخلاص نیت توبہ کرے، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، اور بندوں پر مہربان ہے۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ:

لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ(۱۲) (النور: 12)

ترجمہ کنزالایمان: کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔

شرحِ آیت: اس آیت شریفہ میں حسنِ ظن کا حکم دیا گیا ہے اور بدظنی سے روکا گیا ہے۔

علامہ زمخشری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ سے کہا، کیا تمہیں خبر ہے کہ کیسی کیسی باتیں گشت کر رہی ہیں؟ (آپ کا اشارہ ان باتوں کی طرف تھا جو الزام لگانے والے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کہتے تھے) تو اس زیرک بیوی نے جواب دیا، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ ہوتے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتے، ؟ تو انہوں نے کہا، نہیں، پھر ام ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہر گز جسارت نہ کرتی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام مجھ سے بلند ہے اور صفوان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ آپ سے بہت اونچا ہے۔ (تفسیر کشاف، ص۷۲۱، دارالمعرفہ، بیروت)

احادیثِ مبارکہ

۱۔عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم و الظن فإن الظن أكذب الحديث. ترجمہ: بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۹، کتاب البر والصلۃ، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

۲۔ عن صفية بنت حيي قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم معتكفا، فأتيته أزوره ليلا، فحدثته ثم قمت لأنقلب، فقام معي ليقلبني و كان مسكنها في دار أسامة بن زيد، فمر رجلان من الأنصار، فلما رأيا النبى صلى الله عليه وسلم أسرعا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : على رسلكما، إنها صفية بنت حيي، فقالا : سبحان الله يا رسول الله، قال إن الشيطان يجرى من الإنسان مجرى الدم، و إنى خشيت أن يقذف فى قلوبكما شرا أو قال

شیئا. ترجمہ: حضرت صفیہ بنت حیی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، میں رات کو آپ کی زیارت کے لیے آئی، میں نے آپ سے باتیں کی، پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہوگئی، آپ بھی مجھے رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے، حضرت صفیہ کی قیام گاہ حضرت اسامہ کے گھر میں تھی، اس وقت انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا، جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیز تیز چلنے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستگی سے چلو یہ صفیہ بنت حیی ہے، ان دونوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے یہ خدشہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے، یا کوئی اور کلمہ فرمایا۔ (شرح صحیح المسلم للسعیدی، ج6ص ۵۴۱، کتاب السلام، مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر گجرات)

شرح حدیث: دونوں صحابی رضی اللہ عنہما نے آپ کو ایک عورت کے ساتھ دیکھ لیا پھر تیز تیز چلنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر واضح کر دیا کہ یہ اجنبی عورت نہیں ہے بلک میری زوجہ صفیہ بنت حیی ہے کیونکہ آپ کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کے دلوں میں آپ کے متعلق کوئی بدگمانی ڈال کر ان کو ہلاک کر دے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق بدظنی کفر ہے۔

انتباہ: حکم الٰہی اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہی ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے تعلق سے نیک گمان کرے بدگمانی ممنوع ہے، مگر دورِ حاضر کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا جاے تو اکثریت بدگمانی کے مرض میں مبتلا نظر آتی ہے، کسی بھی قول کا صحیح محمل ہونے کے باوجود بھی اُس سے غلط مفہوم استنباط کیا جاتا ہے، مسلمان بھائی نے کوئی کام کیا تو اس کا پسِ منظر جانے بنا ہی اس پر غلط ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

عوام تو عوام نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے والے علما بھی سوء ظن جیسے مہلک مرض سے محفوظ نہیں، الا ماشاء اللہ، جس کی بنا پر سماج میں اتھل پتھل مچی رہتی ہے، اختلاف و انتشار بامِ عروج پر ہے، محبت و مروت قصہ پارینہ بن چکا ہے، کسی کے لیے جان دینا تو عنقا موقع میسر ہو تو مومن بھائی کی گردن تن سے جدا کر دیں۔

حسن ظن کے فوائد

ا۔ حسنِ ظن کمالِ ایمان کی علامت ہے، اس لیے کہ دوسرے کے تعلق سے اچھا گمان مومن کامل ہی کر سکتا ہے۔

۲۔ حسنِ ظن الفت و محبت کی زیادتی اور پائیداری کا عظیم ذریعہ ہے۔

۳۔ حسنِ ظن سے روح پاک اور دل صاف رہتا ہے۔

۴۔ حسنِ ظن سے انسان مہلکات سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ جب کوئی کسی کے تعلق برا گمان کرتا ہے تو شیطان اسے غیبت پر ابھارتا ہے، اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرواتا ہے، اور اس کی نظروں میں اسے حقیر بنا دیتا ہے، اور یہ سب کے سب باعثِ عذابِ خداوندی ہے۔

حسن ظن کے حصول کے اسباب

ا۔ دعا:

یہ ہر خیر کا دروازہ ہے، بے شمار احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ دعا بلاؤں کو ٹال دیتی ہے، اس کے سبب اللہ اپنا عذاب بندوں سے اٹھالیتا ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار دعا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں قوتِ ظاہری و باطنی عطا فرما کر داخلی (نفس) اور خارجی (کفار) دشمنوں پر فتح سے ہمکنار فرمایا۔

۲۔ خود کو دوسرے کی منزل میں رکھ کر سوچنا:

کسی نے کوئی بات کہی یا کام کیا تو قبل اس کے کہ اس پر کوئی حکم لگائیں خود کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچیں تو ان شاء اللہ بد ظنی کے شکار نہ ہونگے۔

۳۔ کلام کو درست معانی پر محمول کرنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **مسلم بھائی کے منہ سے جو بات نکلی ہے، جب تک تم اس کے لیے اچھا محمل پاتے ہو تو اسی پر محمول کرو، برا گمان نہ کرو۔** (الآداب الشرعیۃ لابن مفلح، ج ۱، ص ۱۷۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

۴۔ عذر تلاش کرنا:

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **جب تمہیں تمہارے بھائی سے تکلیف پہنچے تو اس کے لیے عذر تلاش کرو، اگر نہ پاؤ تو کہو شاید اس کی کوئی مجبوری ہے۔** (التوبیخ والتنبیہ للاصبہانی، ص ۱۲۸، مکتبۃ التوعیۃ الاسلامیہ، جیزۃ)

۵۔ نیتوں پر حکم نہ لگانا:

نیتوں پر حکم نہ لگائیں بلکہ اسے خدا کے حوالہ کر دیں کیوں کہ وہ ظاہر و باطن سب کو یکساں دیکھنے اور سننے والا ہے۔

۶۔ بدگمانی کے نقصانات کو ذہن میں رکھنا:

جب بھی شیطان بدگمانی پر ابھارے تو فوراً سوءِ ظن سے ہونے والے نقصانات کے بارے میں سوچیں کہ یہ زندگی سے خوشیاں چھین لیتا ہے، رشتوں کے پھول سے محبت کی خوشبو ضائع کر دیتا ہے۔